Rooh-e-Tahqeeq, Vol.03, No.01, Serial No. 07, January-March 2025

غیر اسلامی تہذیب کی اساسات اور تاریخی و فکری ارتقاء کا تجزیاتی مطالعہ

رفعت سلطانہ

لیکچرار شعبہ اسلامیات، گورنمنٹ گریجویٹ کالج کوٹ سلطان، لیہ

ڈاکٹر حافظ فدا حسین

ثانوی و اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ، ملتان

Abstract:

This study presents an analytical examination of the foundations, historical development, and intellectual evolution of contemporary non-Islamic civilization, with particular emphasis on Western civilization and its social, moral, intellectual, and cultural dimensions. The study traces the historical development of major Western civilizational traditions, particularly Greek and Roman civilization, and examines their intellectual and cultural legacy in the formation of modern Western thought. It further explores the transformation of Western society from a predominantly religious worldview towards modern secular and materialistic orientations, with particular attention to the changing relationship between religion, science, morality, and human social life.

The research adopts a qualitative, descriptive-analytical approach and draws upon historical literature, Qur'anic guidance, and the views of Muslim thinkers and scholars, including Sayyid Abul A'la Maududi, Sayyid Qutb, Muhammad Iqbal, and other intellectual sources cited in the study. The analysis particularly focuses on the distinction between material and spiritual dimensions of human existence and argues that scientific and technological advancement, although significant for human development, cannot by itself be regarded as a substitute for moral and spiritual development. The study also examines the consequences of separating religion from social and intellectual life and considers its implications for contemporary moral and social values.

The findings indicate that the historical development of Western civilization has been characterized by remarkable achievements in science, technology, education, law, and material development, alongside significant intellectual debates concerning religion, spirituality, morality, and the purpose of human existence. From an Islamic perspective, the study emphasizes that sustainable civilizational development requires a balance between material progress and spiritual and moral values. The research concludes that the advancement of a civilization cannot be measured solely through scientific achievements, economic prosperity, or material resources; rather, its ethical framework, treatment of human beings, social responsibility, spiritual orientation, and preservation of moral values are equally important indicators of civilizational progress.

Keywords: *Non-Islamic Civilization; Western Civilization; Greek Civilization; Roman Civilization; Modernity; Secularism; Religion and Science; Islamic Thought.*

تہذیب و تمدن انسانی اجتماعی زندگی کے فکری، اخلاقی، مذہبی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی عناصر کے مجموعے کا نام ہے۔ کسی بھی تہذیب کی حقیقی شناخت صرف اس کی ظاہری ترقی، علمی کامیابیوں یا مادی وسائل سے نہیں ہوتی بلکہ اس کے

بنیادی نظریات، اقدار، انسانی تصور، اخلاقی اصول اور زندگی کے مقصد سے بھی متعین ہوتی ہے۔ اسی لیے تہذیبوں کا مطالعہ محض تاریخی واقعات کے بیان تک محدود نہیں رہتا بلکہ ان کے فکری و نظریاتی پس منظر، ارتقائی مراحل اور انسانی زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات کا تجزیہ بھی اس کا لازمی حصہ ہے۔ قدیم دنیا کی نمایاں تہذیبوں میں یونانی اور رومی تہذیب کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے، جنہوں نے فلسفہ، قانون، سیاسی فکر، زبان، ادب، فنون اور دیگر علمی شعبوں میں گہرے اثرات مرتب کیے۔ جدید مغربی تہذیب کی تشکیل اور فکری ساخت کو سمجھنے کے لیے ان قدیم تہذیبی روایات کا مطالعہ بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

جدید مغربی تہذیب کے ارتقاء میں نشاۃِ ثانیہ، علمی و سائنسی انقلاب اور جدید فلسفیانہ افکار نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اس دوران انسانی عقل، مشاہدہ، تجربہ اور سائنسی تحقیق کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی۔ اس فکری تبدیلی نے علم و تحقیق کے میدان میں غیر معمولی ترقی کے دروازے کھولے اور انسانی زندگی کے متعدد شعبوں میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں۔ تاہم اسی دوران مذہب، روحانیت اور اجتماعی زندگی کے باہمی تعلق کے بارے میں بھی نئے تصورات پیدا ہوئے۔ مذہب کو اجتماعی زندگی سے الگ کرنے اور انسانی مسائل کے حل کے لیے صرف مادی و عقلی ذرائع پر انحصار کرنے کے رجحان نے جدید مغربی فکر کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ زیرِ نظر مواد میں اسی فکری تبدیلی کو مغربی تہذیب کے بنیادی مسائل میں سے ایک کے طور پر زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

معاصر غیر اسلامی تہذیب ایک تعارف:

قدیم غیر اسلامی تہاذیب کا جب ذکر کیا جاتا ہے تو اس وقت انسان کے ذہن میں جو تہذیب سب سے پہلے آتی ہے، وہ یونانی اور رومن تہذیب کا تصور ہے۔ اس کے بعد پھر مصری تہذیب کا تصور آتا ہے۔ دنیا میں جو قدیم تہاذیب ہیں اُن میں مجموعی طور پر سات زیادہ مشہور ہیں۔ جس وقت ہم مغربی تہذیب کا ذکر کرتے ہیں۔ تو اس میں امریکہ سمیت تمام یورپ شامل ہوتا ہے۔

امریکن تہذیب و ثقافت:

امریکن تہذیب و ثقافت کو سمجھنے کے لیے جب قدیم امریکن تہذیب کو دیکھا جاتا ہے۔ تو پھر صرف قدیم ریڈانڈسٹری نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تمام لوگ نظر آتے ہیں۔ جو دوسرے ملکوں سے نقل مکانی کرکے وہاں آباد ہوتے ہیں اور وہ تمام لوگ سفید فام تھے۔ ان میں کینیڈا، آسٹریلیا اور فرانس سے نقل مکانی کرنے والے لوگ تھے اور یہ سفید فام لوگ اس کثرت سے وہاں آباد ہوئے کہ انھوں نے ریڈانڈنیز کو باہر کی طرف دھکیل دیا۔ اکثر قومیں یورپ ہی کی طرف سے ہجرت کرتے ہوئے وہاں یعنی امریکہ میں آباد ہوتیں تھیں۔ تو آہستہ آہستہ امریکہ کے اندر سفید فاموں کی تہذیب پروان چڑھنے لگی جو لوگ ہجرت کرکے آتے تھے اور امریکہ کی قدیم تہذیب اور قدیم قبائل یعنی ریڈانڈنیز مکمل طور پر ختم ہونے لگے اور یورپیئن لوگ قدیم ریڈانڈنیز کی زبان بھی مکمل طور پر معدوم کر دی۔ انھوں نے انگریزی زبان کو ترویج دی اور سفید فام نسلیں بھی انگریزی زبان کی طرف راغب ہو گئیں۔

> "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ دنیا میں سب سے بڑی مہاجرین کی سرزمین (Land of Immigrants) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان سفید فام نسل نے جو ہجرت کرکے آتے تھے ۵۰ سینٹ اور ایک

ڈالر فی ایکڑ کے حساب سے خرید کر اپنے ساتھ تو شامل کر لیا۔ اس طرح ہوتے ہوتے ۵۰ ریاستوں پر مشتمل یونائیٹڈ سٹیٹ آف امریکہ بن گیا۔"[1]

امریکن تہذیب حقیقت میں یورپئین کی تہذیب ہے اور یورپیئن بنیادی طور پر یونانی اور رومن تہذیب کے وارث تو ان تہذیبوں کا آپس میں بہت زیادہ اختلاط پایا جاتا ہے۔

یونانی تہذیب وثقافت:

دنیا کی تمام قدیم تہذیبوں پر نظر ڈوڑاتی جاتے تو سب سے زیادہ مہذب اور بے بہا علمی خزانے رکھنے والی قوم یونانی ہے۔ دنیا کی کئی بڑی بڑی شخصیات ہیں جنہوں نے یونانیوں سے کسب فیض حاصل کر کے اپنے علم و فن کے ذریعے انسانیت کو نفع پہنچایا۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں بھی اُن کے شعراء اخلاقیات کا درس دیتے تھے۔ جیسا کہ اُن کا نابینا شاعر ہومر کی نظمیں اخلاقیات کا درس دیتی تھیں۔ اُس دور میں طالب علموں کو ہومر کی اخلاقیات سے مزین نظمیں حفظ کروادی جاتی تھیں پوری دنیا میں یا پورے پاکستان میں بہت کم لوگ ہوں گے جو یونان کے عظیم فلسفیوں کے بارے میں نہ جانتے ہوں سقراط، بقراط، ارسطو اور افلاطون وغیرہ نہ صرف اپنے فلسفہ کی وجہ سے مشہور تھے۔ بلکہ وہ نفسیات، سیاسیات اور عمرانیات سے بھی گہرا لگاؤ رکھتے تھے یونان میں ۵۰۰ قبل مسیح میں بھی ایک بہترین نظام مملکتی موجود تھا۔ مقننہ، عدلیہ اور انتظامی ادارے بھی موجود تھے۔ یونانی قوم حسن پرست، نڈر و بہادر، قانون پر عمل پیرا ہونے والی علم و فضل سے آراستہ و پیراستہ قوم ہے۔ تھیٹر کی ایجاد اور داستان گوئی سب سے پہلے یونان سے ہی شروع ہوئی تھی۔ قدیم یونانیوں کا مذہب ہمیشہ سے بت پرستی رہا ہے۔ ہمیشہ سے دیوی اور دیوتا کی پوجا پاٹ کی جاتی رہی ہے۔ یونانیوں کے بہت زیادہ دیوتا اور دیویاں تھیں پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی جاتی گئیں جس طرح سورج دیوتا کے سامنے سکندر کی ماں نے اپنے شوہر سے شادی نئے محبت کا اظہار کیا تھا۔ یونانی زبانیں اور یونانی اصطلاحات برسوں سے استعمال ہو رہی ہیں۔ میڈیکل کیمسٹری، فزکس، ریاضی، بیالوجی ان تمام مضامین کی زبان ۶۰ فیصد لاطینی اور ۴۰ فیصد یونانی ہے۔ یہ تمام اصطلاحات متفقہ طور پر تمام دنیا میں پڑھی اور لکھی جاتی ہیں۔

> "اگر یونانی مؤرخین کے بیانات کو دیکھا جائے کہ یونانی زیادہ تر کس علاقے میں آباد تھے۔ تو اندازے کے مطابق وہ علاقہ شیخو پورہ کا علاقہ ہے۔ اس علاقے میں صدیوں پرانی تہذیب دفن ہے۔ اس علاقے میں کثرت سے ٹیلے موجود ہیں۔ اب ان ٹیلوں پر قبرستان بنادیے گئے ہیں۔ بعض اوقات قبروں کی کھدائی کے وقت پرانے دور کی اینٹیں، مٹی کے برتن اور اچار سے بھرے ہوئے مرتبان نکل آتے ہیں۔"[2]

یونانیوں کی تباہی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو چکے تھے جنسی بے راہ روی کا شکار ہو چکے تھے قدیم یونانی داستانیں شہزادوں اور شہزادیوں کے محبت کے قصے بہت زیادہ مشہور ہیں ان داستانوں کو دیومالائی داستانیں کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یونان کے اندر جو بیماری سب سے زیادہ اُن کی مہذب تہذیب کی تباہی کا باعث بنی وہ ہم جنس پرستی تھی۔

رومن تہذیب وثقافت:

رومیوں کا عدالتی نظام ۵۰۰ قبل مسیح میں انتہائی شاندار اور مکمل خود مختار تھا یہی چیز رومن سلطنت کو بہت زیادہ شان و شوکت اور عظمت عطاء کرتی تھی رومن بادشاہ اور شہنشاہ بہت زیادہ انصاف پسند تھے اسی وجہ سے رومن قوم اپنے بادشاہوں سے مطمئن تھی۔ اس دور میں چرچ کے اندر اخلاقی برائیاں پائی جاتی تھیں رومن کی زبان زیادہ تر لاطینی تھی اور لاطینی ایک زندہ زبان ہے جو کہ مردہ نہیں ہوئی۔ مغرب میں لاطینی زبان کو دیوی اور دیوتاؤں کی مقدس اور پاکیزہ زبان سمجھا جاتا ہے۔ دوسری تہذیبوں کی طرح رومیوں کی تہاذیب کے اندر بھی بہت زیادہ تبدیلیاں آتی رہی۔ اسی طرح رومی تہذیب میں عورتوں کو سماجی طور پر گھٹیا اور غلاموں کی حیثیت دی جاتی تھی۔ عورت اور بچوں پر مرد مالک کی حیثیت رکھتا تھا بیوی، بچے غلاموں جیسی حیثیت رکھتے تھے مرد چاہتا تو ان کو اپنے پاس رکھتا تھا اگر چاہتا تو وہ اُن کو بیچ رہتا تھا جب تہذیب و تمدن میں کچھ ترقی ہوئی تو خاندانی اور عائلی نظام کے اندر بھی کافی تبدیلی اور اعتدال پیدا ہوا۔ بعد کے ادوار میں عورت کو بہت زیادہ حقوق ملے لیکن یہ ہمیشہ کی طرح ہوتا رہا ہے کہ عورت کو فرد کے مساوی درجہ نہیں ملا۔

تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اہل روم کا نظریہ عورت کے بارے میں بدلتا چلا گیا اور رفتہ رفتہ نکاح و طلاق کے قوانین اور خاندانی نظام کی ترکیب میں اتنا تغیر رونما ہوا کہ صورت حال بالکل تبدیل ہوگئی عورت کو وراثت اور ملکیت کے حقوق دیئے گئے۔ قانون نے عورت کو باپ اور شوہر کے اقتدار سے بالکل آزاد کر دیا۔[3]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ رومی عورتیں مہذب اور معاشی حیثیت سے آزاد و خود مختار ہو گئیں۔ عورتوں کی اس قدر آزادی اور خورد مختیاری کی وجہ سے طلاق بالکل عام ہو گئی بات بات پر ازدواجی تعلق توڑ دیا جاتا اور جوڑ لیا جاتا بعض لوگوں نے نکاح کی بندش کو بالکل ختم کر دیا۔ اور زنا عام ہو گیا جس سے معاشرے کے اندر عیاشی، عریانی و فحاشی بالکل عام ہو گی، معاشرے مکمل طور پر بے حیاتی اور آزادی کا شکار ہو گیا جس سے رومیوں کا خاندانی نظام تہس نہس ہو گیا رومن تہذیب کی تباہی اور بدحالی کی بنیادی وجوہات جنسی خواہشات سے مغلوب ہو جانا اور یہ لوگ اس حد تک مغلوب ہوئے کہ ان کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ پر نہ رہی۔

ایرانی تہذیب و ثقافت:

زمانہ قدیم میں ایران کے اندر مذہبی اعتقادات کی بہت زیادہ پابندی کی جاتی تھی اور ایرانیوں کے بہت سارے شرعی احکام و مراسم پائے جاتے تھے لیکن تیرھویں صدی سے ایرانیوں کے اندر تبدیلیاں رونما ہوئیں انھوں نے مختلف قوموں کے رسوم ورواج اپنا لئے اور اپنے مذہبی اعتقادات اور تصورات کو مکمل طور پر پامال کر دیا عورت کی حیثیت کے اندر تبدیلی لانا مرد کے اختیار میں تھا۔ وہ جس طرح چاہتا عورت سے سلوک کر سکتا تھا۔ جس طرح پروفیسر ساجد شیر قریشی رقمطراز ہیں۔

> The Persian women was abhorred and rejected by society until the rule of zoradasht. This ruler cared for and protected the women aroun him. But only after he had kidnapped them and taken them by force.[4]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایرانی جس وقت تک دوسری تہذیبوں پر چلتے رہے اور دوسری قوموں کے محکوم رہے۔ اس وقت ان کے حالات اسی طرح رہے نہ ان کی عورتوں کی عزت تھی اور نہ ہی وہ آزانہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔

ایرانی جنگجو اور لڑاکا قوم تھی۔ اُن کے اندر جنگوں کا بہت زیادہ رواج تھا تو ایرانی لڑکوں کی پیدائش پر خوش ہوتے تھے اور طرح طرح کے جشن منایا کرتے تھے۔ جبکہ لڑکی کی پیدائش پر بہت زیادہ غمگین ہوئے تھے اس کے علاوہ عورتوں کو غلام کے برابر تصور کیا جاتا تھا اور مرد اپنی بیوی کو خدمت گار کیلئے تھے۔ بیوی کو مرد کسی اور غیر مرد سے تعلق کی اجازت دے دیتا تھا۔ اور اولاد مرد کی اپنی یعنی پہلے شوہر کی اولاد سمجھاتی تھی۔ ایرانی تہذیب کے اندر ماں بہن، بیٹی، بیوی کئ کوئی تمیز نہ تھی عورت ہر حال میں مرد کی غلام تھی وہ جس طرح چاہتا اس کو اپنے استعمال میں لا سکتا تھا۔ ایرانی تہذیب کے اندر اخلاقیات کی بہت زیادہ کمی پائی جاتی ہے۔

وادی سندھ تہذیب وثقافت:

وادی سندھ کی تہذیب بہت زیادہ پرانی تہذیب ہے۔ وادی سندھ کے قریب ترین دریاؤں کی تہذیب بھی بہت زیادہ قدیم اور وادی سندھ کی تہذیب سے ملتی جلتی ہے۔ وادی سندھ کی تہذیب انتہائی پرکشش ہے۔ یہ علاقہ دلدلی جنگلوں کا علاقہ تھا۔ جہاں پر درندے آزادانہ پھرتے تھے انہی درندوں کی شکلیں سندھ کی مہروں پر موجود تھیں اس تہذیب کا طرز معاش زراعت تھا۔ گیہوں، جو، مٹر کاشت کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ خربوزے کے بیج، تل اور کھجور کی گھٹلیاں بھی ملی ہیں کپاس کے نشانات بھی ملتے ہیں جدید ترین تحقیقات کے مطابق وادی سندھ کی تہذیب ایک عظیم تہذیب وتمدن کا مرکز تھی۔ اس کی بنیادیں کئی سالوں سے مضبوط اور مستحکم چلی آرہی تھیں۔ اس دور میں بھی ایک دارالخلافہ کا تصور پایا جاتا تھا موہنجوداڑاس مضبوط اور مستحکم حکومت کا دارالخلافہ تھا سونے چاندی اور مختلف دھاتوں سے بناتے ہوئے برتن اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ وہ لوگ دولت مند تھے۔ وادی سندھ کے لوگ فنکارانہ صلاحتیوں کے مالک تھے۔ وہ مختلف قسم کے برتن اور اشیاء نہایت نفاست اور خوبصورتی سے بناتے تھے یہ لوگ فن سنگ تراشی مصوری سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔

قدیم سندھ کی تہذیب برصغیر پاک وہند کی سب سے پرانی تہذیب شمار کی جاتی ہے اور موہنجوداڑو کو اس قدیم تہذیب کا نمائندہ شہر تسلیم کیا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار پانچ سو سال قبل یہ تہذیب موجود تھی اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج سے چار ہزار چار سو پچاس سال قبل وادی سندھ کے باسی انسانی تہذیب یافتہ لوگ تھے۔[۵]

چینی تہذیب:

کنفیوشس کے دور حکومت میں چینی تہذیب میں بہت زیادہ اختیارات مردوں کو دیئے گئے تھے۔ عورتوں، بیوی بچوں تک کو فروخت کے اختیارات مردوں کو حاصل تھے۔ چینی تہذیب میں قدیم چینی تہذیب میں عورت کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا۔ فیوڈل سسٹم کی وجہ سے عورت کو بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم کر دیا گیا۔ عورتوں کو سماجی، سیاسی اور معاشرتی حقوق سے بھی بالکل آزاد کر دیا گیا۔ عورتوں کی حیثیت بالکل معمولی تھی۔ مرد معاشرے میں بہت اعلیٰ وارفع مقام رکھتا تھا۔ وہ جو چاہتا وہی کر سکتا تھا۔ اگر وہ عورت کو قتل بھی کرنا چاہتا تو کر سکتا تھا۔ اس سے کوئی بھی بازپرس کرنے والا نہیں تھا تمام خواہشات مرد اپنی مرضی کے مطابق پوری کرتا تھا۔ اس کو ان کے پورے کرنے میں مکمل طور پر آزادی تھی۔

الغرض جدید اور قدیم تہاذیب کا تصور بہت زیادہ پہلے سے پایا جاتا ہے قدیم تہاذیب میں یونانی اور مصری قدیم تہاذیب تصور کی جاتی ہیں ہر تہذیب کے اندر مختلف روایات پائی جاتی ہیں۔ یورپ کی موسمی حالات کی وجہ سے اُن کی تہذیب بھی مختلف ہو جاتی ہے اور وہ لوگ ٹھنڈے علاقوں میں رہتے ہیں اُن کا موسم بہت زیادہ اچھا اور خوشگوار ہوتا ہے۔

اس وجہ سے وہ لوگ ذہین اور محنتی ہوتے ہیں۔ اُن کے منصوبے پوری دنیا کو اپنے منصوبوں کے مطابق چلانے کا ہوتا ہے۔ امریکہ کے اندر جتنی بھی آبادی تھی ابتداء میں وہ سرخ فام لوگوں کی تھی لیکن پھر سفید فام نے سرخ فام کو بالکل نکال دیا اور یورپ پر قبضہ کر لیا اور کچھ قومیں جو بالکل قدیم تھیں قرآن میں اُن کا ذکر آتا ہے کچھ ایسی تھیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی جو بھی رسول اُن کے پاس آیا اور اللہ کے دین کی تبلیغ کی۔ انھوں نے اس کی نافرمانی کی۔ اور وہ خود پرستی اور غلامی میں دھکیل دیئے گئے اُن پر اللہ کی طرف سے عذاب مسلط کئے گئے اور وہ نافرمانی اور گناہوں کے کثرت کی وجہ سے مشکلات اور اللہ کے قہر و غضب سے دوچار ہوئے۔ جس طرح قوم آدم یعنی قوم عاد نے بہت زیادہ عذاب اور مشکلات جھیلے تو اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان گناہوں سے آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ ان تمام گناہوں سے بچیں اور ان وعیدوں سے بچ سکیں کچھ تہاذیب مہذب تصور کی جاتی تھیں۔ ان کا رہن سہن، تہذیب و ثقافت بہت زیادہ عرصے تک مشہور اور قابل عمل رہی۔ رومی، لاطینی، یونانی اُن کی تہاذیب کے چرچے عرصہ دراز تک رہے۔ اُن کی شہرت اور چرچوں کی وجہ ان کے عظیم فلسفی تھے، جن میں مشہور نام سقراط، بقراط، افلاطون، ارسطو ان فلسفیوں نے بہت زیادہ محنت کی۔ ان کا فلسفہ عرصہ دراز تک مختلف مو قوموں کے ذہنوں پر مسلط رہا۔ جس کی وجہ سے یہ تہازیب بہت زیادہ مشہور اور مقبول ہوئیں۔ ان کی مقبولیت کی وجہ فلسفہ تھا۔ لاطینی زبان ایک مشہور اور مقبول زبان رہی ہے اس زبان کو دیوتاؤں کی مقدس اور پاکیزہ زبان تصور کیا جاتا ہے۔

مختلف ادوار میں رائج تہذیبوں نے انسانی زندگی کو اپنے اپنے انداز میں متاثر کیا ہے لوگ عورت کو بلند و بالا مقام دیتے ہیں اور بعض لوگ عورت کو حقیر اور گھٹیا ذات تصور کرتے ہیں لیکن اسلام ایک ایسی تہذیب ہے جو عورت کو ایک خاص مقام دیتا ہے کسی جگہ پر اُسے ماں جیسا مقدس مقام دیتا ہے اور کسی جگہ بیٹی جیسی عزت و فضیلت دیتا ہے کہ کسی جگہ پر عورت کو بلند مقام دے کر اسلام نے ایک خوبصورت معاشرے کی تشکیل کی ہے۔ تاکہ معاشرتی طور پر اور سماجی لحاظ سے ایک مستحکم اور مضبوط معاشرہ تشکیل پائے اور جس معاشرہ میں عورت کو کوئی حیثیت اور مقام نہیں ملتا تو وہ معاشرہ جلد ہی ادھیڑ پن کا شکار ہو جاتا ہے اس معاشرے کے اندر تربیت کا فقدان ہو تا تھے۔ عورت کو صرف جنسی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں تو اس سماج کے اندر بے حیائی اور برائی جنم لیتی ہے۔ اور یہ برائیاں معاشرے کو تباہی اور بربادی کی طرف لے جاتے ہیں۔ جس طرح یہودیوں کے اندر عورت کو غلیظ ذات تصور کیا جاتا ہے جبکہ عیسائیوں کے اندر عورت کو حیض و نفاس کی حالت میں بھی استعمال کیا جاتا ہے تو اسلام نے اس کی حدود و قیود مقرر کی ہیں تاکہ وہ آزادی سے بہتر اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں اور اُن کی زندگی کے اندر مشکلات پیدا نہ ہوں

مغربی تہذیب تاریخ وارتقاء

موجودہ دور میں ترقی کے منازل طے کرنا اور عروج حاصل کرنا ایشیا اور افریقہ کے اکثر ممالک کی کوشش ہے ایشیاء اور افریقہ نے ترقی اور عروج کے لیے یورپ کو ماڈل بنایا ہوا ہے اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ مغرب کا مطالعہ کیا جائے پھر اسی طریقے سے اور اسی خطوط پر ترقی کی منازل طے کی جائیں اصل بات یہ ہے کہ قوموں کے عروج وزوال کو کوئی مدت مقرر نہیں ہے۔ قوموں کا عروج وزوال ایک معمہ ہے اور اس معمہ کا حل کے لیے مختلف

مفکرین نے کوشش کی ہے کہ یہ بات سمجھ میں آجائے کہ قوموں کا عروج وزوال کو کیوں ہوتا ہے کون سے عوامل اور قوتیں اور طاقتیں قوموں کے عروج وزوال کا سبب بنتی ہیں تو اس میں یورپ کے عروج کو مدنظر رکھا جاتا ہے کہ یورپ اس ترقی کو سہار سکے گا وہ بھی اس ترقی سے تنزلی کی طرف چلا جائے گا یورپ کے علمی اور فکری سرمایہ سے واضح ہوتا ہے کہ یورپ اپنی علمی ترقی کی وجہ سے عروج و زوال کی تمام بنیادی وجوہات سے مکمل طور پر آگاہ ہے اور وہ ان مشکلات سے بچ جائے گا جو زوال کا سبب بنتی ہیں ان میں سے سب سے اہم چیز جو یورپ میں عروج کا سبب بنتی ہے وہ اُن کا مختلف تہذیب کا علمی وادبی لٹریچر کی جمع آوری اور اس پر دسترس ہے۔

تمام تہذیبوں کا علمی وادبی اور ثقافتی سرمایہ

یورپی ترقی اور عروج کی ایک اہم اور پہلی وجہ جو مفکرین نے بیان کی ہے کہ یورپ نے بہت زیادہ علوم وفنون پر مہارت رکھنے والی قوموں کا علمی ادبی اور ثقافتی سرمایہ اکٹھا کر لیا ہے اور وہ اس پر دسترس حاصل کر چکے ہیں جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارتقاء کا توازن بر قرار رکھ سکے گا کیونکہ اس کے پاس نہ صرف اعلی ذخیرہ ہے بلکہ جدید ٹیکنالوجی کی موجودگی بھی پائی جاتی ہے۔

تازہ اور تخلیقی اذہان کی فراہمی

یورپ کے ارتقاء کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ ہیں اور تخلیقی صلاحیت میں بہت زیادہ آگے ہیں امریکہ اور یورپ ان کے لیے ایک بہترین منڈی کی حیثیت رکھتا ہے اس وجہ سے ہر ایک ملک وقوم کے ذہین اور باصلاحیت افراد کو کھینچ کھینچ کر اِن ممالک یعنی یورپ اور امریکہ کا رخ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو تازہ اذہان میسر ہوتے رہتے ہیں جو مغرب کے لیے ایک مثبت سرگرمی ہے۔

تبدیلی کے عمل کی مزاحمت

ترقی میں رکاوٹ اور ایک معاشرے کی تبدیلی میں رکاوٹ ایک مثبت تبدیلی کو قبول نہ کرنا ہے لیکن جس جگہ تبدیلی اور جدت کو قبول اور تسلیم کر لینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو وہاں معاشرہ آگے بڑھتا ہے اور کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے کہ تخلیق وجستجو کے دروازوں کو کھلا رکھا جائے اس میں رکاوٹ پیدا نہ کی جائے جس وقت ذہن متحرک رہتا ہے تو انسان مطمئن رہتا ہے اور مسائل کا حل نکلتا رہتا ہے۔

آب وہوا اور مخصوص ماحول

آب وہوا اور مخصوص ماحول کی وجہ سے یورپ نے ترقی اور عروج حاصل کیا ہے۔کچھ مورخین کا خیال ہے کہ یورپ کی ترقی اور عروج کا سبب جغرافیائی آب و ہوا کا ماحول کا اثر ہے اس موضوع پر ڈیوڈ ایس لانڈس Davids landes نے اپنی کتاب قوموں کی دولت اور غربت میں اپنے دلائل دیتے ہیں۔

وہ اقوام ہر جغرافیائی ماحول اور آب وہوا کے اثرات کا ذکر کرتا ہے تو ان مختلف آراء کو دیکھتا ہے کہ جو ایشیاء، افریقہ اور یورپ میں مقبول عام ہیں مثلاً یورپ کے لوگوں کے لیے سرد آب وہو تو لوگ چست اور ذہین ہوتے ہیں افریقہ کے لوگوں کا کہنا ہے کہ سورج والے لوگ یعنی موسم گرمامیں رہنے والے تخلیقی صلاحیتیں رکھتے ہیں اور خوشی اور مسرت سے بھرپور لطف اندوز ہوتے ہیں(ان کے برعکس ابن خلدون ابن خلدون کا کہنا ہے کہ معتدل

آب وہوا والے لوگ محنتی اور باصلاحیت ہوتے ہیں اوردوسری اقوام سے برتر ہوتے ہیں ۔[۷] اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آراء بہتر ہے کہ مغرب کی ترقی اور عروج کی وجہ ٹھنڈا اور معتدل موسم ہے جس کی وجہ سے وہ ترقی کے منازل طے کر تا جارہا ہے۔

یہودیوں کا نسلی تفاخر

صیہونی اسرائیلی اور یہودی انکے اندر نسلی تفاخر پایا جاتا تھا جسکی وجہ سے وہ ہمیشہ پوری دنیا میں حکومت کا منصوبہ بناتے تھے اور ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں۔ کہ اس منصوبے کی تکمیل کیجائے۔

> "کاؤنٹ فولکے برناڈوٹ نے اقوام متحدہ کو ارسال کردہ رپورٹ میں لکھا تھا" صیہونی وسیع پیمانے پر لوٹ مار کررہے ہیں۔ اور بظاہر کسی بھی عسکری ضرورت کے گاؤں کے گاؤں برباد کررہے ہیں۔ ان تصادات کے شکار بے گناہ مظلومین کو اپنے گھروں کو لوٹنے نہ دینا بنیادی اصولوں کی پامالی ہے جبکہ یہودی تارکین وطن میں سیلاب آیا ہوا ہے جو ہزاروں سالوں سے یہاں مقیم عرب لوگوں کو مہاجر بنا کر اُن کی جگہ لے رہے ہیں۔""

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہودی ہر لحاظ سے اپنی عسکری برتری چاہتے ہیں اسی طرح میڈیا، پریس پر یہودیوں کو ہر طرح کا غلبہ ہے اور وہ ہر لحاظ سے مالی تسلط حاصل کر کے پوری دنیا پر سلطنت وحکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

نیم آزاد شہروں کا قیام

یورپی ترقی کی ایک وجہ نیم آزاد شہروں کا قیام ہے۔ اس سے شہریوں کو مکمل طور پر تحفظ ملتا تھا یہ تاجروں اور مزدوروں کے حقوق کا تحفظ کرتی تھی۔ ان شہروں کے انتظام و انصرام کی ذمہ دار کمیونٹی تھی۔ اس سے دیہاتیوں کو آزادی مل گئی تھی کہ وہ شہر میں آکر اپنی زندگی میں بہتری اور سہولیات حاصل کرسکے ہیں شہریوں کو سیاسی، سماجی اور معاشرتی حقوق میسر تھے۔ دیہاتیوں کو ان نیم آزاد شہروں کی وجہ سے یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنی آمدنی بڑھا سکیں اور اپنا معیار زندگی بہتر کرسکیں۔ شہروں کو ترقی دینے کی ایک اہم وجہ جاگیرداروں ،وڈیروں اور زمینداروں سے مخالفت کرنے کا اور اُن کو کمزور کرنے کا حکومت اور ریاست کو موقع مل گیا تھا حکمران اِن کی طاقت کو کمزور کرنا چاہتے تھے۔

بیرونی حملہ آوروں سے حفاظت

یورپ نے ۱۰۹۶ میں خود کو مضبوط بنانا شروع کر دیا مضبوطی کا خاص سبب اندرونی انتشار کو ختم کر کے بیرونی جھگڑوں اور غیر ملکی حملہ آوروں سے مکمل طور پر حفاظت کرنا تھا یورپ کے مختلف چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہونے اور ریاستوں میں بٹنے کا فائدہ یہ ہوا کہ حملہ آور اُن پر فوری نہیں پہنچ سکے بلکہ اُن کو پہلے چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے مزاحمت کرنی پڑی اس طرح یورپ ترکوں ،منگولوں اور عربوں کے حملوں سے مکمل طور پر محفوظ رہا جو کہ یورپ کی ترقی اور عروج کا سبب بنا۔

یورپ کا جدید ارتقاء

جس وقت کولمبس نئی دنیا کی دریافت کے لیے روانہ ہوا اسی دور میں ہی یورپ کی جدید تاریخ کا آغاز ۱۴۹۲ء میں ہوا بعض مورخین کا خیال ہے کہ جدید اور ماڈرن تاریخ کا آغاز ۱۵۰۰ء سے ہوا اور بعض کہتے ہیں۔

"Modern history of Europe began under the stress of attoman Conquest."

بعض مورخین کا خیال ہے ۱۵۱۷ء سے جدید دور کا آغاز ہوا کیونکہ اس سال مارٹن لوتھر نے قدیم رومن کتھولک مذہب کے خلاف ۹۵ نکات لکھ کر احیائے مذہب کی تحریک شروع کی تھی۔[8]

جدید دریافتیں

پندرویں صدی کے آخر میں یورپ میں بہت زیادہ دریافتیں ہوئیں۔ بارود ایجاد ہوا، جہازی کتب نما، بحر و سمندری راستے دریافت کیے گئے فیول دریافت ہوا علمی اور فکری ترقی ہوئی اسکے علاوہ صنعت رنگسازی میں انقلاب برپا ہوا اور اُون تیار کرنے والوں کو آج کے لحاظ سے کروڑپتی بنادیا کپڑا سازی کی صنعت کو فروغ ملا خام مال، مشینری وغیرہ میں اضافہ ہوا۔

تاجروں کی حوصلہ افزائی

یورپ نے اپنے مصنوعات بیچنے کے لیے اپنے تاجروں کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ تجارت کو بہت زیادہ فروغ دیا فلورنس نے اپنی ابیض المتوسط اور بروجز تک ساری بندر گاہوں کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار کیے فارس، ہندوستان، قبرص، قسطنطنیہ، چین اور فلورنسی تجارت کے تحفظ اور فروغ کے لیے تجارتی جہاز کرایہ پر لیے جاتے تھے اوراس میں مقابلہ بازی کی جاتی صنعت حرفت میں رقم لگانے کے لیے فلورنس ۸۰ بینکنگ ہاؤسز اپنے کھاتا داروں کی بچتیں جمع کرتے۔[9]

یورپی انقلاب کی ابتداء

رومن کیتھولک نے جس وقت لوگوں کو عبادت کی آزادی دے دی پروٹیسٹ فرانس میں لوگوں پر ظلم وجبر کررہے تھے بادشاہوں کا رویہ بھی منصفانہ تھا تو اس وقت عوام نے اندرغداری کا خیال بالکل ختم ہو گیا اور وہ سلطنت سے بے حد مخلص ہونے لگے۔ سات اسقفوں پر غداری کا الزام لگا۔ اس الزام سے عام ناراضگی پھیلی تو اسقفوں کو بری کر دیا گیا اور یہ اسقف جس وقت بری ہوئے تو عام عوام کے اندر جوش وخروش اور خوشی کی انتہا نہ تھی ولیم سوم کی آمد سے پہلے ہی انقلاب کی ابتدا ہو چکی تھی پھر فرانس کے اندر انقلاب رونما ہوا۔ پروٹسنٹ کے مظالم ختم ہوئے اور پرامن طریقے سے ترقی اور عروج کی راہیں ہموار ہوئی۔[10]

یورپ کی اخلاقی حالت:

جس وقت مشرقی مذاہب میں تصوف کو فروغ ملا اور تصوف آمیز فلسفہ روزبروز شائع ہونے لگا تو یورپ کے وہ لوگ جوروحانیت میں دلچسپی رکھتے تھے ان کا رجحان روزبروز مشرقی مذاہب کیطرف شدت سے بڑھتا گیا۔ لوگوں کی اعتقادی اورروحانی زندگی میں بھرپورانقلاب آرہا تھا۔ پلوٹینس، پارفری، وپریکلس وغیرہ کی قیادت میں ایک تصوف زدہ فلسفہ شائع ہوتا۔ جو کہ لوگوں کی زندگیوں کے اندر تبدیلی لاتا جارہا تھا تو اس بات

نے مسیحیت کو مجبور کیا اور وہ اپنی اخلاقی حالت کو بہتر کریں عدل وانصاف، شرم وحجاب اور فضائل نسوانی کو ایک خاص فضائل واامتیاز عطاکریں تاکہ مشرقی مذہب کا جو پرجوش استقبال کیا جارہا ہے اس کو روکا جاسکے اس کے علاوہ نکاح کے سوا مردوعورت کی ہم بستری کی تمام صورتوں کا عدم جواز اور دوشیزگی کی تقدیس وطہارت کا خیال کیا جائے تاکہ مردوعورت کے تعلقات میں بہتری لائے جا سکے کیتھولک ازم نے ان تمام مظالم اور تشدد کو ختم اور پامال کر دیا ۔جو عورت کے اوپر ڈھائے جارہے تھے مردوں اور عورتوں کو مساوی تعلیمی ومالی حقوق فراہم کیے جانے لگے تاکہ معاشرتی توازن قائم کیا جا سکے۔''

الغرض موجودہ دور یورپ کی ترقی اور آزادی کا دور ہے۔یورپ اس دور میں آزاد اور ترقی یافتہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کی ترقی اور آزادی میں مغرب یعنی یورپ کا موسم اور حالات یورپین کے لئے ساز گار ہیں اور مغرب کے اندر لچک دار رویہ اپنانے کی صلاحیت کثرت سے پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مغربی لوگ کاہل اور نکمے نہیں رہے ان کو کثرت سے کام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ مسلسل محنت کر کے کام کرتے ہیں ان کے رویہ کے اندر کثرت سے غیر جانبداری پائی جاتی ہے اور وہ تبدیلی کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو مشکلات برداشت نہیں کرنا پڑتی۔ اس کے علاوہ ان کے ارتقاء کا سبب مشرق کا تمام خزانہ ، اور تمام ایسے ملکوں کا علمی خزانہ مغرب میں بالکل محفوظ ہے اور وہ اس سے بہت زیادہ آفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس سے علمی ترقی میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور یہ ترقی روحانیت کا سبب بھی بنتی ہے کسی نہ کسی حد تک یہ ترقی اُن کے اخلاق اور اعمال میں بہتری کا سبب بنتی ہے اس کے علاوہ یورپ کبھی بھی مکمل طور پر آزاد شہروں کا قیام نہیں کرتا بلکہ نیم آزاد شہروں کا قیام کر کے اُن پر سیاسی، سماجی لحاظ سے تاجروں اور مزدور کو ہر لحاظ سے مکمل طور تحفظ ملتا ہے اس کے لئے ایک کمیونٹی کا قیام کیا جاتا ہے جو اس معاشرے کو مکمل طور پر تحفظ فراہم کرتی ہے اور اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ یورپ اس ترقی کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر سکے گا یا بدیر تنزلی کا شکار ہو جائے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اور یورپ ترقی کو سہار سکے گا کیونکہ اس کے اندر تبدیلی کو قبول کرنے والا عنصر پایا جاتا ہے جس طرح کی بھی تبدیلی آجائے یورپ اس کو قبول کر سکتا ہے، یہی وجہ ہی یورپ ترقی کی وجہ ہے۔ جن قوموں یا ملکوں کے اندر تبدیلی والا مادہ نہیں پایا جاتا وہ لوگ، قوم ترقی کی راہوں پر مکمل طور پر گامزن نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے اندر تبدیلی والا مادہ نہیں پایا جاتا ہے س کی وجہ سے وہ ارتقاء کی منازل کو طے نہیں کر سکتے اور یہودیوں کے اندر نسلی تفاخر کا تصور بھی پایا جاتا ہے جس وقت سے کیتھولک فرقہ نے مذہبی آزادی دی ہے تو یہ بھی یورپ کی ترقی کا ایک سبب بنی ہے۔ اس سے بھی اُن کے لیے ارتقائی منازل کو طے کرنا بالکل آسان ہو گیا ہے۔

کسی بھی موضوع پر سیر حاصل مباحث سے قبل لازم ہوتا ہے کہ اس کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کا ادراک ہونا چاہیے۔ اسی طرح مغربی تہذیب کے جاننے اور اس کی تاریخ میں جھانکنے سے بیشتر از حد لازم ہو گا کہ لغت میں اس کے معانی تلاش کیے جائیں۔ اور اس بات کا حوالہ دیا جائے کہ اصطلاح میں علماء اور ماہرین کیا رائے پیش کرتے ہیں۔

> ''تہذیب کے مادہ پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی علمی اردو لغت کے مطابق پاک کرنا، اصلاح کرنا، شائستگی خود اخلاقی لیے گئے ہیں۔''[۱۲]

تہذیب کے اصطلاحی معنی دیکھے جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ عملی زندگی میں ادب، سلیقہ شعاری، تعلیم و تربیت اور رکھ رکھاؤ کو بھی تہذیب کہا جاتا ہے۔ آدمیت، انسانیت اور اخلاقیات سے عاری کو وحشی شخص جب کہ سلیقہ مند شخص ادب اور تعلیم و تربیت سے اپنے آپ کو آراستہ کر لیتا ہے تو اس کیفیت کو تہذیب کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اصطلاح میں اگر تہذیب کی مزید تعریف درکار ہو تو مولانا مودودی کی یہ رائے دیکھنی ہو گی۔

"علوم و آدب، فنون لطیفہ، صنائع بدائع، اطوار معاشرت انداز تمدن اور طرز سیاست تہذیب کے نتائج و مظاہر ہیں۔" ۱۳

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تہذیب ایک ایسا عمل ہے جو انسان کی سماجی زندگی سے جڑا ہے۔ جو اس کے رہنے سہنے کے اسباب اور اسکے زندگی کے طریقوں پر نہ صرف اثر انداز ہوتا ہے بلکہ اس سے کئی نتائج سامنے لاتا ہے۔

تہذیب مغرب کی مختصر تاریخ (ابتدا و عروج):

تہذیب ہمیشہ عقائد و نظریات سے جنم لیتی ہے۔ اسے نہ تو کسی علاقے و جغرافیے تک محدود کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی حد کسی عہد یا زمانے تک متعین کی جا سکتی ہے۔ دور جدید جس کو تہذیبی دور کہا جا سکتا ہے اس میں اسلامی تہذیب کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب بھی معرض وجود میں آئی ہے۔

جب بھی مشرق و مغرب کا تقابلانہ جائزہ لیا جاتا ہے تو اہل مشرق مغرب والوں کو ہمیشہ مخلوب قرار دیتے ہیں جیسا کہ اقبال عظیم (۲۰۰۰ء) نے کہا:

یہی درس دیتا ہے ہمیں ہر شام کا سورج
سمت مغرب میں چلو گے تو ڈھل جاؤ گے[14]

اصطلاح میں The West سے مراد سورج کے غروب ہونے کی جگہ ہے۔ قدیم تہذیبوں اور حکومتوں کے علاقے شروع میں مشرق اور جنوب میں ہوا کرتے تھے۔ بعد میں یہ حکومتیں شمال اور مغرب کی طرف پھیل گئیں اس لیے مغربی علاقوں کے لیے The west کی اصطلاح استعمال کی گئی۔

مشہور تاریخ دان Corrol Qnigley اس بات پر مطمئن ہیں کہ مغربی تہذیب کا آغاز داؤد علیہ السلام کے تقریباً ۴۰۰ سال بعد ہوا۔

مغربی اور یونانی تہذیب کے پوری طرح مل جانے کے بعد نئے نظریات کے پھلنے پھولنے کے لیے ایک خلا پیدا ہوا جو کہ کلاسیکی معاشروں میں ناممکن تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو (۱۹۶۴ء) کا کہنا ہے:

"قدیم تہذیب کا مصر اور کیناس میں جنم ہوا۔ ابتداء میں یہ تہذیب صرف مشرقی علاقوں تک محدود تھی بعد میں اشیاء اور آریہ مغرب کی طرف پہنچے۔ انھوں نے یونان اور قرب وجوار پر حملہ کیا۔ یہی وہ آریہ یونانی ہیں جنہیں ہم قدیم یونانی کہتے ہیں۔" ۱۵

مغربی تہذیب کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور چودھویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔ جب اٹلی میں تحریک احیاء العلوم شروع کی گئی۔ دوسرا دور سولہویں صدی عیسوی کے شروع میں جرمنی میں تحریک اصلاح کلیسا

سے ہوتا ہے جبکہ تیسرا اور اہم دور اٹھارویں صدی عیسوی میں انگلینڈ اور فرانس میں روشن خیالی کے نام سے شروع کیا گیا۔ ان تمام تحریکوں نے مغرب کو مجموعی طور پر توہم پرستی سے نکال کر عقلیت کے غلبہ کی طرف راغب کیا۔ اسی طرح تحریک اصلاح کلیسا جس کے محرک اول مارٹن لوتھر تھے۔ انھوں نے تقلید جامد کی مذمت کر کے عقل و فکر کو آگے بڑھایا جبکہ روشن خیالی کی تحریک کے زیر اثر رہ کر مغربی دانش وروں نے روایتی مذہبی تاثرات اور تعصبات کو اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی۔

علامہ اقبال (۱۹۳۸ء) کا ایک جگہ کہنا ہے:

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف[16]

اقبال کی یہ بات مغربی تہذیب کی خامیوں کی طرف اشارہ دیتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مغربی اقوام جو یہ سمجھتی ہیں کہ انھوں نے ترقی کی انتہا کو چھو لیا ہے لیکن شاید وہ اس بات سے بے خبر ہیں کہ وہ اپنی نگر اور اساس کو کھو چکی ہیں۔

مغربی تہذیب کی خوبیاں اور خامیاں

اسلام کا کوئی بھی شعبہ دیکھ لیں اس میں انسانیت کے تحفظ اور معاشرے کی بقاء کی بات کی گئی ہے۔ چاہے نظام معاشرت ہو یا جو نظام عدل ہو یا نگر نظام معیشت ہو ہر شعبہ انسانیت کے تحفظ اور معاشرتی فلاح و بہبود کیلئے کام کرتا ہے۔ اسلام کے بارے میں مغرب نے بہت سے غلط مفروضہ قائم کر رکھے ہیں۔ ضروری ہے کہ ان فرضی باتوں کو جو کہ اسلام کے ساتھ جوڑ دی گئی ہیں۔ دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کا کہنا ہے:

> "اسلام کے بارے میں مغرب کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ یہ دہشت گردی کی ترغیب دیتا ہے اور قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جن میں واضح طور پر کفار کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دراصل یہ اہل مغرب کی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ اسے صرف عالمی مناظرے اور مباحثے اور مکالمے سے ہی دور کیا جا سکتا ہے۔"[۱۷]

ڈاکٹر ذاکر نائیک کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ اہل مغرب کے بہت سے تصورات بہت سے مفروضہ جات پر مبنی ہیں۔ وہ قرآن کو سمجھے بغیر ہی اس پر رائے قائم کر دیتے ہیں۔ اور اس کے معانی و مفاہیم کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ اقبال نے کہا تھا۔

ہوئے حد درجہ محترم فقیہان حرم
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں[18]

اہل مغرب یہ لکھتے ہیں کہ قرآن تشدد اور بدامنی سکھاتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ قرآن تو صرف حملہ کرنے کی صورت میں کفار سے مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہے جبکہ یورپ کی تاریخ میں نگاہ دوڑائی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ دو بڑی جنگیں بھی مغربی ممالک نے لڑی تھیں جس میں لاکھوں لوگ مارے گئے۔ ان کے کئی صدور قتل کر دیئے گئے۔ آج بھی ایسی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں۔ لڑکے نے نیو یارک کے ایک سکول میں فائرنگ کر کے ۲۲ لوگوں کو ہلاک کر

دیا۔ اسلام پر دہشت گردی کا لیبل لگانے والے یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جتنے جرائم سعودی عرب میں ایک سال میں ہوتے ہیں وہ جرائم نیویارک میں ایک ہی رات میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ لہٰذا مغرب کے سیاسی، مذہبی اور معاشی نظریات کو جب بھی پرکھنے کی کوشش کی جائے تو اعداد و شمار اور زمینی حقائق کو بھی سامنے رکھنا ہو گا۔

مولانا مودودی اس حوالے سے کہتے ہیں:

> "اگر یہودیت کا تصور قتال ملاحظہ کیا جائے تو ان کے ہاں صرف جاہ و حشمت اور مال و دولت کا حصول لڑنے کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ عیسائیت میں صلیب کی برتری ہی قتال کی وجہ ہے۔ ہندوازم میں شکتی (طاقت) اپنے اعلیٰ وارفع ہونے کے اظہار کے لیے جنگ لڑنا ضروری ہے لیکن اسلام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی بلندی اور امن کے لیے جنگ کو جائز قرار دیتا ہے۔"[19]

مولانا مودودی کی یہ وقیع رائے اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کبھی بھی دھونس اور دھاندلی اور جبر و استبداد کے ذریعے دوسروں پر جنگ مسلط کرنے کا نام ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اسلام تو دفاعی جنگوں کا قائل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ سکھاتا ہے کہ کسی بھی حالت میں نہتوں پر حملہ نہ کیا جائے اور اسلام نے جنگوں کے جو قوانین وضع کیے وہ اس قدر موثر اور عالمگیر ہیں (UNO) (HRC) نے اپنے چارٹر میں ان قوانین اور اصولوں کو شامل کر رکھا ہے۔

مغربی تہذیب کی خامیوں کو دور کرنے کی تجاویز:

جب کبھی کوئی بیماری کی ابتدائی سٹیج پر ہوتا ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ ہلکے پھلکے علاج سے روزمرہ علاج کی رائج دواؤں سے اس کا علاج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اگر بیماری اس حد تک بڑھ چکی ہو کہ اس سے جان کو خطرہ لاحق ہو تو پھر اس کے لئے طریقہ علاج بھی بدلنا پڑتا ہے۔ بالخصوص اس کے لیے (high potency) ادویات تجویز کی جاتی ہیں۔ اسی طرح مغربی معاشرہ بھی تہذیبی اعتبار سے شکست وریخت کی اس سطح پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں تمام تدابیر اور ہمدردانہ کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ لہٰذا اس مرحلہ پر ضروری ہے کہ پورے نظام کو ہی بدل دیا جائے کیونکہ مغرب کے ذہنی، تعلیمی اور معاشرتی مسائل کی بڑی وجہ نظام ریاست اور معاشرت ہے۔ جس نے ان کی بنیادوں کو ہی اپنے حصار میں لے رکھا ہے۔

اگر سب سے پہلے ہم مغرب کے ذہنی انحطاط کا تدارک کرنا چاہیں تو اس کے لیے ضروری ہو گا کہ پہلے اس انحطاط کی نوعیت جاننے کی کوشش کی جائے ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ ذہنی ساخت کے اعتبار سے مغربی معاشرہ اس ڈگر پر پہنچ چکا ہے کہ جہاں اسے روحانی اور جسمانی حالتوں کا ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ اس طرح یہ معاشرہ اس امر سے بھی نابلد ہے کہ جسم اور روح دو علیحدہ دکھائی دینے والے عناصر ہونے کے باوجود بھی حقیقت میں ایک دوسرے سے جڑے اہم اعضا ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي)[20]

(روح میرے رب کے حکم سے ہے)

لیکن زیادہ تر مغربی معاشرے کے دانش ور اور آمتہ الناس اس بات پر یقین نہیں رکھتے بلکہ انھوں نے تو روح کو ایک مجرد یا مادی چیز تصور کر کے اس کا باقاعدہ وزن بھی کچھ اونس بتا ڈالا ہے۔ لہٰذا وہ معاشرہ جو روح کو جسم کی حقیقت کے

ساتھ ماننے کو تیار نہیں وہ روحانی اقدار اور اخلاقیات سے بے بہرہ ہی ہو گا۔ نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہاں ذہنی پسماندگی جسے بظاہر وہ روشن خیالی یا ماڈرن ازم کا نام دیتے ہیں پیدا ہوتی ہے۔ ذہنی انحطاط کی ایک اور وجہ محض حواس خمسہ کو قابل اعتبار سمجھنا ہے۔ حالانکہ بہت سی ایسی اشیاء بھی ہیں جنہیں سائنس بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن وہ حقیقتاً اپنا وجود رکھتی ہے۔ اس تناظر میں مشاہدے اور حسیات کے علم کو کیسے مستند سمجھا جاسکتا ہے۔ اس حوالے سے سید قطب شہید کا کہنا ہے:

"انسان مادے کے بارے میں وسیع علم کے باوجود خود اپنے بارے میں گھمبیر پر جہالت میں مبتلا ہے۔ اور یہ وجہ بھی اس المیہ کا بذات خود سبب نہیں ہے بلکہ حقیقی سبب یہ ہے کہ اس وجہ کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اس حقیقت کے باوجود انسانی زندگی کا ضابطہ خود وضع کرنے پر اسرار کیا گیا۔ یوں ذہنی طور پر انحطاط کا آغاز ہوا اور اس جہالت اور پسماندگی کو ترقی اور علم سمجھ لیا گیا۔"[21]

سید صاحب کی یہ رائے اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ دراصل مغربی معاشرے کا سب سے بڑا مسئلہ ان کی اپنی سوچ ہے۔ وہ مشاہدے اور حواس خمسہ سے آگے نہیں لگنا چاہتے تو ان کے ذہنی انحطاط دور کرنے کے لیے ضروری ہو گا کہ انہیں حقیقت مادہ اور جسم کے ساتھ ساتھ حقیقت روح کو بھی تسلیم کرنا ہو گا۔ وگرنہ ان کے ہاں کوئی امام غزالی، ابن رشد، افلاطون، یا واصف علی واصف پیدا نہیں ہو گا۔ بلکہ سائنسی اور مادی علوم کو کل سمجھنے والے افراد ہی پیدا ہوتے رہیں گے۔ مولانا مودودی بھی اس حوالے سے اسی قسم کے خیالات رکھتے ہیں:

"دراصل اس تہذیب کا آغاز ہی ایسے لوگوں میں ہوا جن کے پاس حکمت الٰہی کا کوئی صاف اور پاکیزہ سرچشمہ نہ تھا۔ مذہب کے پیشوا وہاں موجود تھے۔ ان کے پاس علم نہ تھا، ان کے پاس خدا کا قانون نہ تھا۔ محض ان کے پاس ایک غلط مذہبی تخیل تھا۔ فکر و عمل کی راہوں میں اگر وہ چلانا بھی چاہتا تو نہ چلا سکتا۔ وہ بس اتنا ہی کر سکتا تھا کہ علم و حکمت کی ترقی میں راستے کی دیوار بن جاتا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس مزاحمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ ترقی کرنا چاہتے تھے وہ مذہب اور مذہبیت کو ٹھوکر مار کر ایک دوسرے راستے پر چل پڑے۔ جس مشاہدہ اور قیاس کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔"[22]

سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ کہنا حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ دراصل یہ معاشرہ صرف مادی ترقی کو ہی ترقی سمجھتا ہے۔ اس معاشرے میں دیگر پہلوؤں کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ انسان کی تشکیل کچھ اس طرح سے کی گئی ہے جس طرح اس کے جسم کو غذا کی ضرورت ہے بعینہ اس کی روح بھی غذا طلب کرتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے مذہب سے بیزار معاشرے نہ ہی اس حقیقت کو سمجھ پاتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ لکھتا ہے کہ پورا معاشرہ ایک انجانی اور ان دیکھی راہوں پر چل پڑتا ہے۔[23]

اقبال نے اس خیال کو یوں بیان کیا ہے:

وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے
وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا

جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے[24]

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کبھی قوموں نے محض عمارتیں بنانے کو یا پھر بہتر معیار زندگی کو ہی ترقی سمجھ لیا ہے پھر ان قوموں کی تنزلی کا آغاز ہو ہی جاتا ہے۔ کیونکہ دین فطرت کی کتاب ہدایت میں واضح طور پر موجود ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔[۲۵]

جب یہ طے ٹھہرا کہ تخلیق انسانی کا مقصد اور حقیقی نصب العین صرف اور صرف اپنے خالق کی رضا ہے تو اسی کی بستی کو مد نظر رکھ کر اپنے آپ کی اور اپنے معاشرے کی تشکیل و تزئین کر سکتا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے مغربی معاشرہ اس حقیقت سے بے بہرہ ہے۔ اور اس کا مداوا اسے اپنے ہاں پھیلنے والی فحاشی، عریانی، اقتصادی کساد بازاری اور اخلاقیات، مذہب کی دوری کی شکل میں دیکھنا پڑ رہا ہے۔ نیز مغربی تہذیب جو کہ عارضی اور عوامل و عناصر کے لحاظ سے پائیدار تہذیب ہے۔ اس تہذیب کے سب سے بڑے مسائل اس کی معاشی یا معاشرتی زندگی سے جڑے ہیں اور جن تہذیبوں اور معاشروں کو صرف طرز زندگی اور معیشت سے سروکار ہو وہ کبھی پنپ نہیں سکتے۔ مشہور سکالر وحید الدین لکھتے ہیں:

"مغربی معاشرے کے اندر رہ کر سائنس اور مذہب کے مابین تفاوت کی کشمکش میں رہنا انسان کو مجبور و لاچار کر دیتا ہے لیکن اگر صاحب انسان اور صاحب خرد شخص اسی معاشرے میں رہے وہ ضرور بغور سائنس کی علامات سے ہی خداشناسی اور معرفت نفسی حاصل کر سکتا ہے۔"[۲۶]

علامہ صاحب کی یہ رائے ہمارے اس تجزیے پر مہر ثبت کرتی ہے کہ مغربی تہذیب اور معاشرے میں اس وقت ایک بہت بڑی کشمکش جاری ہے۔ وہاں یہ لوگ سائنس اور مذہب کو ایک دوسرے کا متضاد جانتے ہیں۔ حالانکہ دونوں متوازی بھی ہو سکتے ہیں۔ د قسمتی سے اہل مغرب یہ چاہتے ہی نہیں۔ تبھی تو انھوں نے معاشرتی زندگی سے مذہب کو علیحدہ کر دیا ہے یہی چیز ان کی تنزلی کی بڑی وجہ ہے۔ سید قطب کا کہنا ہے:

"جب سے لوگوں نے کلیسا کو چھوڑ دیا۔ اجتماعی زندگی کلیسا سے کٹ گئی ہے۔ اور جب دور احیاء عصر روشن اور مصنوعی، مادی فلسفہ نے لوگوں کو کلیسا سے متنفر بنادیا اور اس وقت سے کلیسا معاشرے سے اور لوگوں کے پیچھے کھینچا چلا آرہا ہے۔ اب کلیسا کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو معاشرے اور مذہب کی طرف مائل کرے۔ اب مقصد یہ ہے کہ وہ کسی طرح عوام کی خوشنودی حاصل کرے"[۲۷]

سید صاحب کی یہ تجزیاتی رائے در اصل ظاہر کرتی ہے کہ مذہب یا کلیسا جس نے مغربی معاشرے کی اصلاح کرنی تھی وہ خود ہی زوال پذیر ہو گیا ہے بلکہ اس کی اپنی ہی اصلاح کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ یورپ میں اس حوالے سے کئی دفعہ تحریکیں بھی چلی ہیں اور اصلاح کلیسا کے لیے سیاست دانوں اور دانش وروں کو آنا پڑا۔ اور آنا بھی چاہیے تھا کیونکہ جس معاشرے میں خدا تعالیٰ کو سائنس کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی جائے وہاں پر روحانیت اور اخلاق سازی کا زوال لازم ہے۔ مشہور ماہر طبیعات۔ سٹفن ہاکنگ (۲۰۱۸ء) کا کہنا ہے سائنس کبھی بھی ثابت نہیں کر سکتی کہ خدا نہیں ہے لیکن سائنس میں خدا کا وجود غیر ضروری ہے۔

آئن سٹائن کے بعد مغرب میں سٹفن ہاکنگ اپنے سائنسی نظریات کی وجہ سے اور ذہانت و فطانت کی وجہ سے معتبر مانا جاتا ہے بھی اہل مغرب کو دعوت فکر دیتا ہے کہ خدا کو سائنس سے بھی رد نہیں کیا جا سکتا لیکن بد قسمتی سے وہ لوگ ابھی تک اس کائنات کو اچانک سمجھ رہے ہیں۔ مولانا مودودی کا کہنا ہے:

"اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ گزشتہ زمانہ کی تاریکی میں مذہب کی شمع جل سکتی تھی۔ اب اس روشنی کے زمانہ میں نہیں جل سکتی۔ بالکل ایسے ہی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔ جن چیزوں کو آج علوم جدید و اکتشافات حاضرہ کہہ کر وہی دعوے کیے جا رہے ہیں۔ جو پہلے کیے گئے تھے۔ ان کے متعلق بھی ہم کو یقین ہے کہ ان کا ان میں سے بیشتر کا وہی حشر ہوتا ہے۔ جو گزشتہ لوگوں کے علوم جدیدہ اور اکتشافات حاضرہ کا ہو چکا ہے۔"[۲۸]

اس سب کے باوجود کہ مغرب نے نظری اور بصری علوم میں مہارت تامہ حاصل کی ہے۔ فلکیات سے لے کر بحری علوم میں مقید المثال ترقی مغرب کی کامیابیوں کی دلیل ہے۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جس طرح جسم اور روح ایک دوسرے سے منسلک ہونے کے باوجود بھی ہیئت اور عمل کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ بعینہٖ مادی یا سائنسی ترقی کسی بھی طور روحانی یا اخلاقی ترقی کا متبادل ہر گز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ دس سال پہلے سائنس اور ٹیکنالوجی کی دنیا میں انقلاب آیا جب جینٹکس کے حوالے سے کلوننگ جیسا انقلاب زمانے کی آنکھ نے دیکھا اور انسان کی سیکڑوں، ہزاروں کاربن کاپیاں بنانے پر انسان قادر ہو گیا۔ اس بظاہر ترقی کو خود اہل مغرب کے ہاں متشکک نگاہوں سے دیکھا گیا۔ بلکہ بہت سے مغربی دانش وروں نے کلوننگ کی کھل کر مذمت کی بلکہ ایک قانون پاس کیا گیا۔ جس کی وجہ سے کلوننگ پر بین کر دیا گیا۔ علامہ اقبال (۱۹۳۸ء) نے کہا تھا:

ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات[29]

سید قطب شہید اس مادی اور روحانی پہلو کے حوالے سے کہتے ہیں:

"جب بھی کبھی انسانی زندگی اور انسانی خیالات ان تباہ کن حالات میں آتے ہیں۔ تو اکثر یہی ہوا کہ خفیہ طریقوں اور نامعلوم حالات کے ذریعے انسانی زندگی میں تبدیلیاں آتی ہیں تو انسانیت تباہی سے بچ گئی۔ مگر اب حالات کی ہولناکی اور تباہی پہلے سے زیادہ ہے۔"[۳۰]

سید قطب شہید مغرب کی اس تباہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جو اُن کو مادی وسائل کی دستیابی اور سائنس کی لمبی اڑان بھرنے کے بعد ملی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ربوٹ یا مشین کبھی بھی انسانوں کا متبادل نہیں ہو سکتیں لیکن کیا کہیے اہل مغرب کا کہ وہاں پر اس قدر انسانی اور معاشرتی بگاڑ پیدا ہو چکا ہے کہ ایسی باتیں سننے اور دیکھنے کو عام مل جاتی ہیں کہ ایک خاتون نے مرنے سے پہلے وصیت میں اپنی ساری دولت اپنے پالتو کتے کا نام کر دی یا کسی ریاست میں شہر کا میئر کسی شیفرڈ کتے کو بنا دیا گیا۔ یہ دراصل اخلاقی گراوٹ کا نتیجہ ہے۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مشینی اور سائنسی معاشرے نے لوگوں کو کبھی ہمدردی اور انسانی صفات حسنہ سے محروم کر دیا ہے۔ اس لیے اب ضروری ہو گیا ہے کہ مغرب اپنا قبلہ درست کر دے۔ اس

کے لیے سب سے پہلے مذہب کو اپنی معاشرت کا حصہ بناتا ہو گا کیونکہ دنیا کی کوئی بھی قوم اور معاشرہ کسی لائحہ عمل فکر اور عقیدے کے بغیر نہیں پنپ سکتا۔ اور سائنس کے بڑھتے ہوئے دائرہ کار کو حدود و قیود میں لانا ہو گا۔ اسی طرح اپنے معاشرے کی تشکیل از حد ضروری ہے کہ جس میں انسانوں کو مساوی حقوق دیئے جائیں۔ سید قطب شہید کا کہنا ہے:

"انسان انسان ہے حیوان نہیں ہے۔ انسان اس کائنات کا احساس دلانا چاہتے ہیں کہ انسان کی تخلیق کا مقصد انسان کے کام آنا ہی ہے۔"[۳۱]

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

خیر الناس من ینفع الناس۔[۳۲]

(لوگوں میں سے بہترین وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتے)

حالی(۱۹۱۴ء) نے اس بات کی تائید کی ہے:

یہی ہے عبادت ہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انسان کے انسان
یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدی کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا[33]

مگر بد قسمتی سے مغرب کے فرسودہ معاشرے میں دیگر انسانوں کی ہمدردی تو کیا کرنی تھی۔ اپنے بوڑھے والدین کو بھی جب ان کی خدمت کا وقت آتا ہے تو انہیں Old Home میں بھجوا دیتے ہیں۔ یعنی مجموعی طور پر اہل مغرب کے انفرادی رویوں سے لے کر مجموعی رویوں تک میں اقتضاد اور بے یقینی طور پر اس کی سب سے بڑی وجہ کسی نہ ہی ڈھانچے کا نہ ہونا کسی عقیدے سے یا نظریے کا نہ ہونا بھی ہے۔ یعنی اب مغرب اور ان کے لوگوں کو اپنی اصلاح اور ترقی کے لیے کسی نظریے اور طرز عمل سے ضرور جڑنا ہو گا کیونکہ:

جب طرز عمل فکر سے بندھ جائے کسی کا
وہ شخص کبھی سوچ کو مرنے نہیں دیتا[34]

مغربی معاشرہ ایک ایسا گھمبیر اور عجیب الخلقت معاشرہ ہے۔ وہاں جس قدر سہولیات اور مسائل دستیاب ہیں اتنی زیادہ خرابیاں اور انتشار بھی موجود ہے۔ مغربی تہذیب اپنے حجم اور ساخت کے اعتبار سے اس واسطے بھی الحطاط کا شکار ہو گئی ہے کہ وہاں ذہنی اور شعوری تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ روحانی اصلاح کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان معاشروں میں تہذیب و تمدن کا مفہوم ہی غلط رائج ہے۔

اسلام اور مغرب کی کشمکش میں سب سے بڑا مسئلہ تعلیمی انحطاط کا بھی ہے تعلیمی حوالے سے مغرب کے ہاں نصاب اور تدریسی مقاصد مختلف ہیں۔ اور اسلام کا نصاب قدرے دوسرے مزاج کا ہے۔ اسی طرح معاشرتی اور سماجی حوالے سے بھی مغرب اپنی علیحدہ اقدار رکھتا ہے۔ آپ کو ماڈرن یا لبرل بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ یہ باہمی کشمکش بھی اسلام اور مغرب کے درمیان ایک بہت بڑا تفاوت ہے۔

تہذیب کسی قوم کی محض مادی ترقی، سائنسی کامیابی یا معاشی خوش حالی کا نام نہیں بلکہ اس کے فکری، اخلاقی، روحانی، معاشرتی اور ثقافتی تصورات کا مجموعی اظہار ہوتی ہے۔ یونانی اور رومی تہذیبوں سے لے کر جدید مغربی تہذیب تک کے تاریخی ارتقاء کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی تہذیب نے علم، فلسفہ، قانون، سائنس، ٹیکنالوجی اور انتظامی نظام کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ ان کامیابیوں سے انکار ممکن نہیں، تاہم تہذیب کے مجموعی کردار کا جائزہ لیتے وقت اس کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

حقیقی تہذیبی ترقی وہی ہے جس میں انسان کو محض معاشی یا مادی وجود کے طور پر نہیں بلکہ اخلاقی، روحانی اور سماجی ذمہ داری رکھنے والی ہستی کے طور پر دیکھا جائے۔ انسانی فلاح، عدل، باہمی احترام، اخلاقی ذمہ داری، روحانی شعور اور معاشرتی خیر کو سائنسی و مادی ترقی کے ساتھ مربوط کیے بغیر ایک متوازن اور پائیدار تہذیب کا تصور مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ پہلو ہے جو اسلامی تصورِ تہذیب کو محض مادی ترقی کے تصورات سے ممتاز کرتا ہے۔

تحقیق کا اہم نتیجہ یہ ہے کہ جدید مغربی تہذیب کی فکری تشکیل میں مذہب اور سائنس کے تعلق نے بنیادی کردار ادا کیا۔ مذہبی اداروں کے ساتھ پیدا ہونے والی کشمکش، نشاۃِ ثانیہ اور جدید سائنسی فکر کے فروغ نے مغربی معاشرے میں مذہب کی اجتماعی حیثیت کو بتدریج متاثر کیا۔ اس کے نتیجے میں انسانی زندگی کی تعبیر میں عقل، تجربہ اور مشاہدہ کو زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔ زیرِ مطالعہ مواد میں اس صورتِ حال کو انسان کے مادی اور روحانی پہلوؤں کے درمیان پیدا ہونے والے عدم توازن کے تناظر میں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

حوالے

[۱]۔ قاسم خان، تہذیب کا سفر: یورپ کی تہذیبی، ثقافتی، لسانی اور سیاحتی منظر نامہ، کراچی: ظفر آکیڈمی، اُردو بازار، ۲۰۱۳ء، ص:۴۳۵

[۲]۔ سمیع خالد، تہذیبوں کے آثار، جہانگیر پبلی کیشنز، ملتان، اپریل ۲۰۰۹ء، ص:۱۹

[۳]۔ قریشی، ساجدہ شبیر، پروفیسر، پاکستانی عورت کا معاشرتی سفر، ملتان، شبیر ربانی پریس، ۲۰۱۸ء، ص:۲۷

[۴]۔ قریشی، ساجدہ شبیر، پروفیسر، پاکستانی عورت کا معاشرتی سفر، ملتان، شیر ربانی پریس، ۲۰۱۸ء، ص ۲۸

[۵]۔ نوید اسلم، شیخ، پاکستان کے آثار قدیمہ، لاہور: حاجی حنیف پرنٹرز، ۲۰۱۲ء، ص ۶۰

[۶]۔ مبارک علی، ڈاکٹر، یورپ کا عروج، لاہور: تاریخ پبلشرز، اشاعت اول ۲۰۰۰ء ص ۱۳

[۷]۔ مجاہد مرزا، ڈاکٹر یہودیوں کا نسلی تفاخر، لاہور: بک ہوم پبلشر، ۲۰۰۶ء، ص ۱۲۵۔۱۲۶

[۸]۔ قریشی، آفتاب احمد، تاریخ جدید یورپ، لاہور: پبلشرز امپوریم، ص ۲

[۹]۔ ول ڈیورانٹ، یورپ کی بیداری، (ترجمہ یاسر جواد) لاہور، علی فرید پرنٹر، ص ۱۱۶

[۱۰]۔ گرانٹ، اے جے، تاریخ یورپ، (مترجم حمید احمد انصاری)، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ص ۴۷۶

[۱۱]۔ ہارٹ پول لیکی، ایڈورڈ، تاریخ اخلاق یورپ، المحزن پرنٹنگ پریس: کراچی، (ترجمہ مولا عبدا لماجد دریا آبادی)، ۲۰۱۶ء، ص ۱۳۱

[۱۲]۔ فیروز الدین، فیروز اللغات، لاہور، فیروز سنز، ۱۹۹۰ء، ص ۲۶۰

[۱۳]۔ مودودی، ابو الاعلیٰ، سید، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، لاہور: اسلامک پبلیشرز، ۱۹۹۰ء، ص ۱۱

[۱۴]۔ اقبال عظیم، مطربہ، لاہور: الحمد پبلیشرز، ۱۹۸۸ء، ص ۱۳

[۱۵]۔ نہرو، جواہر لال، تاریخ عالم پر ایک نظر، لاہور: تخلیقات علی پلازہ، ۲۰۰۵ء، ص ۲۹

[۱۶]۔ اقبال، علامہ، بانگ درا، لاہور: علم و ادب پبلیشرز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۰

[۱۷]۔ ذاکر نائیک، ڈاکٹر، قرآن اور عصر حاضر کی سچائیاں، لاہور: آئی آر ایف پبلیشرز، ۱۹۹۳ء، ص ۱۴

[۱۸]۔ محمد اقبال، علامہ، بانگ درا، لاہور: علم و ادب پلیشرز، ۱۹۹۸ء، ص ۸۰

[۱۹]۔ مودودی، تصور اسلام، لاہور، اسلامک پبلیشرز، ۱۹۶۰ء، ص ۲۲۶

[۲۰]۔ بنی اسرائیل: ۸۴

[۲۱]۔ قطب شہید، سید، اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، ۱۹۹۵ء، ص ۱۲

[۲۲]۔ مودودی، تنقیحات، ص ۲۷

[۲۳]۔ ایضاً

[۲۴]۔ محمد اقبال، علامہ، ضرب کلیم، لاہور: اقبال آکیڈمی پاکستان، ۱۹۳۶ء، ص ۱۸۰د

[۲۵]۔ الذریت: ۵۶

[۲۶]۔ وحید الدین خان، راززندگی، لاہور: نقوش پبلیشرز، ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۶

[۲۷]۔ عاصم بٹ، سٹیفن ہاکنگ، اُردو ڈائجسٹ، لاہور، دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۶۸

[۲۸]۔ مودودی، تنقیحات، ص ۱۱۲

[۲۹]۔ محمد اقبال، بانگ درا، لاہور، ص ۲۶۰

[۳۰]۔ قطب شہید، اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل، ص ۲

[۳۱]۔ قطب شہید، اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل، ص ۲

[۳۲]۔ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ۴۲۶

[۳۳]۔ حالی، الطاف حسین، مسدس حالی، فیصل آباد، دائرہ پبلیشرز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۴

[۳۴]۔ سید عبد اللہ، ڈاکٹر، حجر مقدس، لاہور: مجلس ترقی آدب، ۱۹۶۵ء، ص ۲۲۵

❖❖❖